آسٹریلیا میں پہلی مسجد کا سنگ بنیاد

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۳ء بمقام سڈنی، آسٹریلیا)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

آج کا دن جماعت احمدیہ کی تاریخ میں اور آسٹریلیا کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت کا دن ہے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے آج انشاء اللہ تعالیٰ یہاں پہلی احمدیہ مسجد اور احمدیہ مشن ہاؤس کی بنیاد رکھیں گے۔

یہ دن جہاں بے حد برکتوں کا حامل دن ہے اللہ تعالیٰ کے بہت سے فضل اس دن نازل ہوں گے، ان کے اثرات خدا تعالیٰ کے فضل ہی کے ساتھ بہت دیر تک ہم دیکھتے رہیں گے وہاں اس کے ساتھ ہی یہ دن بہت سی ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ وہ احمدی جو آسٹریلیا کو اپنا وطن بنا چکے ہیں ان پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہونے والی ہیں ان کو قبول کرنے کے لئے آسٹریلین احمدی دوستوں کو پوری طرح تیار ہو جانا چاہئے۔

آسٹریلیا ایک ایسا ملک ہے جس میں دہریت اور مادہ پرستی یورپ کے بہت سے دوسرے ملکوں سے بھی زیادہ ہے۔ شاید مشرق میں رہتے ہوئے یہاں کے لوگوں میں یہ احساس کمتری پیدا ہو گیا کہ جب تک ہم دنیا پرستی میں سب سے آگے نہیں نکلیں گے اس وقت تک اس غلط فہمی سے بچ نہیں سکتے کہ ہم مشرقی لوگ نہیں اس لئے ہر وہ قدر جو انسان کو خدا سے دور لے جاتی ہے، ہر وہ رجحان جس سے روحانیت کا انکار ہوتا ہے وہ اس قوم میں پایا جاتا ہے۔ یہاں آنے سے پہلے مجھے اس کا اتنا گہرائی

کے ساتھ اندازہ نہیں تھا جتنا اب ہوا ہے۔ چنانچہ یہاں آ کر ان کا معاشرہ دیکھا، ان سے گفتگو کا موقع ملا تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ دنیا کے کسی ملک میں بھی سوائے سکنڈے نیوین میں سے بعض ملکوں کے، اتنی زیادہ دہریت اور مادہ پرستی نہیں پائی جاتی۔

اس ملک میں جو احمدی موجود ہیں ان کی بھی کسمپرسی کی حالت ہے، مرکز سے دوری، احمدیہ مشن کا نہ ہونا اور تعداد کی کمی، یہ سارے ایسے محرکات ہیں جنہوں نے ان پر بداثر ڈالا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے باوجود خدا تعالیٰ کے فضل سے یہاں ایسے مخلصین موجود ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی، جنہوں نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ وہ ہر قیمت پر اس معاشرہ پر غالب آئیں گے اور ان کے کردار میں خدا تعالیٰ کے فضل سے زندگی کے آثار نظر آتے ہیں لیکن بالعموم یہ کہنا درست ہے کہ جماعت کو اس ملک میں جس شان کے ساتھ دیکھنے کی میں توقع رکھتا ہوں وہ پوری نہیں ہوئی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ان حالات میں دو قسم کے ہی ردعمل ہو سکتے تھے اور ہو سکتے ہیں۔ ایک ردعمل ہے حد سے زیادہ دہریت اور مادہ پرستی کے سمندر میں ڈوب کر اس سے مرعوب ہو جانے کا اور رفتہ رفتہ ان قدروں سے دور چلے جانے کا جن کو لے کر ہم اپنے ملکوں میں یہاں آئے تھے۔ اور دوسرا ردعمل ہے اس کے مقابل پر اور زیادہ سختی اختیار کرنے کا، بے چینی محسوس کرنے کا، فکر محسوس کرنے کا اور وہ رستے تلاش کرنے کا جن پر چل کر ہم ان کے بداثرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ یہ دوسرا ردعمل جس قوت کے ساتھ نظر آنا چاہئے تھا اس قوت سے یہاں نظر نہیں آ رہا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ قانون قدرت کو بھلا کر دنیا کی کوئی قوم بھی درحقیقت زندہ نہیں رہ سکتی، قانون قدرت کو نظر انداز کر کے دنیا کی کوئی چیز بھی غالب آنے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتی کجا یہ کہ وہ زندہ رہ سکے۔ انسانوں کی زندگی کو دیکھئے یا حیوانوں کی زندگی کو دیکھئے، وہ اپنے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں اور ہمیشہ دو طرح سے متاثر ہوتے ہیں۔ بعض حیوانات کو مخالف حالات مٹا دیتے ہیں اور نابود کر دیتے ہیں، بعض حیوانات میں ایک ردعمل پیدا ہوتا ہے اور وہ ان حالات پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں اور قانون قدرت انہیں وہ نئے وسائل عطا کر دیتا ہے، نئے ذرائع انہیں میسر آ جاتے ہیں جن سے وہ پیش آمدہ حالات کا بہتر رنگ میں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہی ہے خلاصہ اس سارے انسانی یا حیوانی ارتقا کا جس میں زندگی کی موت کے ساتھ ایک مسلسل جدوجہد نظر آتی ہے اور دو ہی طرح کے ردعمل ظاہر

ہوتے ہیں، تیسرا ردعمل ہمیں کوئی نظر نہیں آتا۔ یا تو یہ نظر آتا ہے کہ زندگی نے غیر معمولی کوشش کی اور موت پر غالب آگئی اور یا پھر زندگی موت کا شکار ہوگئی اور یہی وہ دو ردعمل ہیں جو انسانی نظریات کی جنگ میں ہمیں نظر آتے ہیں۔

پس جب احمدی دوست اس دور دراز براعظم میں آئے اور یہاں رہنے کا فیصلہ کیا تو ان کو کھل کر یہ بات نظر آنی چاہئے تھی کہ اگر انہوں نے غیر معمولی جدوجہد کے بغیر یہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے تو پھر اس بات پر بھی ان کو تیار ہو جانا چاہئے کہ وہ اگلی نسلوں کو اپنے ہاتھ سے کھو دیں گے اور رفتہ رفتہ اسی ماحول کا شکار ہو کر انہی لوگوں میں سے ہو کر رہ جائیں گے یا اس کے برعکس انہیں عام حالات کی نسبت زیادہ ذمہ داری زیادہ کوشش اور زیادہ جدوجہد کے ساتھ زندہ رہنا ہوگا۔ گرمی کا موسم ہو تو انسان کا گزارہ عام کپڑوں میں ہو جاتا ہے۔ گرمی کے موسم میں بغیر کپڑوں کے بھی انسان اپنے جسم کی حرارت کو محفوظ رکھ سکتا ہے بلکہ وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ یہ حرارت کسی اور ذریعہ سے جسم سے نکلنی شروع ہو جائے تا کہ گرمی کا احساس کم ہو لیکن اگر آپ North Pole یا South Pole (قطب شمالی یا قطب جنوبی) کے برفانی علاقوں میں چلے جائیں تو ننگے جسم کا تو سوال کیا عام سردیوں کے موسم میں بھی جو کپڑے پہنے جاتے ہیں وہ کافی نہیں ہوا کرتے۔ وہاں زندگی کی جدوجہد کے لئے کچھ مزید چیزوں کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ اندرونی طور پر گرمی پیدا کرنے کے لئے خاص غذاؤں کی ضرورت پڑتی ہے، بیرونی طور پر موسم سے حفاظت کے لئے غیر معمولی لباس کی ضروریات پڑتی ہے، میری مراد یہ ہے کہ موسم میں جتنی زیادہ خنکی پیدا ہوا تنی جدوجہد بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے اگر ایسا نہیں کریں گے تو پھر زندگی کی توقع لے کر بیٹھنا محض حماقت ہے۔

پس جتنا زیادہ دہریانہ ماحول ہو، جتنی زیادہ دنیا پرستی ہو اتنا ہی احمدی کو کسی لباس کی تلاش کرنی چاہئے۔ اس لباس کے بغیر وہ اس ماحول کی موت کی سردی سے بچ نہیں سکتا۔ وہ کون سا لباس ہے جو اس کو بچا سکتا ہے؟ قرآن کریم نے اس لباس کا نام لیا اور فرمایا:

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: ۲۷)

ایک ہی لباس ہے اور وہ تقویٰ کا لباس ہے جو مادہ پرستی کے سرد خانوں میں بھی آپ کو زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ دنیا کے پردے پر آپ کہیں بھی چلے جائیں وہ آپ کی حفاظت کرے گا اور

آپ کو دنیا کے ہر شر سے محفوظ رکھے گا اور لباس التقویٰ ہی ہے جو کبھی انسان کا لباس بنتا ہے اور کبھی اس کے لئے زادراہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اسی تقویٰ کو زادراہ بنا کر بھی دکھایا اور فرمایا تم تقویٰ کی زاد کو پکڑو۔ یہی زادراہ ہے جو تمہارے کام آسکے گا۔ یہ تقویٰ ہی ہے جو آپ کی حفاظت کے لئے اندرونی غذا کا کام بھی دیتا ہے اور آپ کی حفاظت کے لئے بیرونی لباس کا بھی اور جتنا زیادہ ماحول مخالف ہوا تنا ہی زیادہ تقویٰ کی تلاش ہونی چاہئے۔

یہ کیا چیز ہے؟ تقویٰ کس کو کہتے ہیں؟ تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ہر فعل میں اور ہر سوچ میں اللہ کی طرف نگاہ ڈالنی سیکھ جائے اور یہ سوچنا شروع کرے کہ میں خدا کی خاطر زندہ ہوں۔ تقویٰ کا ایک معنی خوف بھی ہے تقویٰ کا معنی ڈر بھی ہے۔ لیکن وہ ڈر نہیں جو کسی جانور یا سانپ یا بچھو سے ہوتا ہے بلکہ تقویٰ ایسے خوف کو کہتے ہیں جو محبت کرنے والے کے پیار کو کھودینے کا ڈر ہوتا ہے۔ ہمیشہ یہ خطرہ دامن گیر ہو کہ میں کوئی ایسا فعل نہ کروں، میری سوچ کوئی ایسی راہ اختیار نہ کرے کہ جس سے میرا پیارا اور محبوب خدا مجھ سے ناراض ہو جائے اس کا نام تقویٰ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم یہ طرز فکر اختیار کرو گے تو دنیا کے پردہ پر جہاں بھی تم جاؤ گے یہ طرز فکر تمہاری زندگی کی حفاظت کرے گی، تمہارا لباس بھی بن جائے گی، تمہاری خوراک بھی ہو جائے گی اور پھر تم کسی غیر اللہ کے شر سے خوف کھانے کی فکر میں مبتلا نہیں ہو سکتے، کبھی غیر کے شر کے خوف میں مبتلا نہیں ہو سکتے کیونکہ خدا کا خوف ہر دوسرے خوف پر غالب آ جاتا ہے تو گویا قرآن کریم کے نزدیک اگر تم چاہتے ہو کہ بے خوف زندگی بسر کرو تو صرف ایک راہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اختیار کرو اس کی رضا سے دور جانے سے ڈرو۔ اس پہلو پر میں کچھ مزید مختصر سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

منہ سے یہ کہہ دینا کہ تقویٰ خدا کی محبت کا نام ہے، تقویٰ خدا کی محبت کے کھو دینے کے ڈر کا نام ہے، انسان ہر وقت یہ خیال رکھے کہ میں اللہ کی راہ پر قائم رہوں اور خدا مجھ سے ناراض نہ ہو۔ یہ منہ سے کہہ دینا بظاہر آسان بات ہے لیکن عملی زندگی میں ہر روز اس قسم کے امتحانات پیش آتے ہیں کہ ہر انسان اگر ہوش کے ساتھ زندہ رہے تو وہ یہ محسوس کر سکتا ہے کہ میرا عقیدہ اور ہے اور میرا عمل اور ہے، میرا دعویٰ اور ہے اور وہ زندگی جو میں نے اختیار کر لی ہے وہ اور ہے۔ ہر روز آپ کے لئے ایسے مواقع پیش آتے ہیں، مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی جہاں آپ خدا کی محبت کے

کھو دینے کی نسبت ان لوگوں کی محبت کے کھو دینے کے خوف سے مغلوب ہو جاتے ہیں جن میں آپ رہ رہے ہوتے ہیں۔ ان کے تاثرات جو آپ کے متعلق ہوں گے وہ آپ کی زندگی کے نقشے بنا رہے ہوتے ہیں اور دماغ میں یہ ہوتا ہے کہ خدا کا تصور ہماری زندگی کا نقش بنا رہا ہے۔ آپ اپنے ماحول سے ڈرتے ہیں، اپنے ماحول کی باتوں سے خوف کھاتے ہیں، یہ ہمت نہیں پاتے کہ ماحول کے مخالف کوئی طرز زندگی اختیار کر سکیں اور سر اونچا کر کے ان لوگوں میں چل سکیں۔ ہمیشہ یہ خوف دامنگیر رہتا ہے، مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی کہ اگر ہم نے یہ کیا تو یہ لوگ کیا کہیں گے، ہمارے متعلق کیا سمجھیں گے۔ اگر ہم نے اسلامی لباس پہنا تو ان کو کیا محسوس ہوگا، اگر یہ لوگ ننگے پھر رہے ہوں اور ہماری عورتوں نے برقعے اوڑھ لئے تو یہ ہمارے متعلق کیا سمجھیں گے کہ کون سی بلائیں آ گئی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ پہلا خوف ہے جو تقویٰ کے مقابل پر انسانی زندگی میں راہ پاتا ہے اور مذہبی معاشروں کو تباہ کر دیا کرتا ہے۔ جس طرح ایک تقویٰ خدا کا خوف ہے اسی طرح ایک تقویٰ دنیا کا خوف بھی ہوا کرتا ہے اور ان دونوں کے درمیان وہ جنگ ہے جو ہمیشہ جاری رہتی ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی۔ تاہم کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اللہ کی رضا کھو دینے کا خوف بہر حال ہماری زندگی پر غالب رہے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کے خوف سے بچائے جاتے ہیں اور کچھ وہ لوگ ہیں جن پر دنیا کی رضا کھو دینے کا خوف ہمیشہ غالب رہتا ہے وہ بظاہر نیک بھی ہوں، بظاہر نمازیں پڑھنے والے بھی ہوں، بظاہر اعمال میں بڑے صاف دکھائی دیں اور لوگ ان پر اعتراض نہ کر سکیں لیکن عملاً وہ بازی ہار چکے ہوتے ہیں کیونکہ اصل لڑائی نظریات کی دنیا میں ہوا کرتی ہے۔ پس یہ دو قسم کے خوف ہیں جن کے درمیان جدوجہد ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی۔ وہی آزاد مرد ہے جو دنیا کے خوف سے آزاد ہوتا ہے۔ جو دنیا کے خوف سے آزاد نہیں ہوتا وہ ہرگز آزاد نہیں۔ اس نے آج نہیں تو کل لازماً دنیا کی غلامی اختیار کرنی ہے اس لئے میں دوستوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے نفسوں کو دنیا کی آلائشوں سے آزاد کریں اور اپنے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کریں اور خدا کے خوف کو اپنے اوپر غالب کر لیں۔ اللہ کے پیار اور محبت کو اس طرح اپنی غذا اور اوڑھنا بچھونا بنا لیں کہ غیر اللہ اس میں داخل نہ ہو سکیں۔ اسی کا نام تقویٰ ہے، اسی کا نام توحید ہے، اسی کا نام زندگی ہے، اسی کا نام انسانی ضمیر کی آزادی ہے۔ گو اسلامی اصطلاحوں میں ان چیزوں کے مختلف نام ہیں

لیکن حقیقت ایک ہی رہتی ہے۔

پس احمدیوں کے لئے بہت ہی اہم اور بنیادی حقیقت یہ ہے کہ وہ اس دنیا کے رعب سے آزاد ہو جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے لئے جو دعائیں کیں ان میں ایک چھوٹے سے مصرعے میں بہت ہی پیاری بات فرمائی۔ آپؑ نے فرمایا:

ع نہ آوے ان کے گھر تک رعب دجال (درثمین صفحہ ۴۸)

کہ اے خدا! میں یہ دعا کرتا ہوں کہ ان کے گھروں میں دجال کا رعب داخل نہ ہو کیونکہ ہمیشہ قومیں رعب سے مار کھا جایا کرتی ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے فتح کا نسخہ عطا فرمایا اس میں یہی رعب کا لفظ استعمال فرمایا۔ فرمایا: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ (تذکرہ صفحہ ۵۶۶۔ الہام ۲۱ ؍اگست ۱۹۰۶) کہ اے مسیح! تو دنیا میں یہ اعلان کر سکتا ہے کہ مجھے بھی ایک رعب عطا کیا گیا ہے اور میں اس رعب کے ذریعہ سے دنیا پر غالب آؤں گا۔

پس احمدی اگر اپنے معاشرہ میں اپنا رعب نہیں رکھتے، اگر ان کو یہ یقین نہیں ہے کہ ہم ایک زندہ معاشرہ سے تعلق رکھتے ہیں جو دنیا پر غالب آنے والا ہے، اگر وہ پوری طرح پر اعتماد نہیں ہیں کہ جن قدروں کو لے کر ہم چل رہے ہیں یہ اچھی اور بہتر قدریں ہیں اور دنیا کی قدروں سے بہت بالا ہیں تو اگر وہ یہ نہیں کر سکتے تو وہیں وہ بازی ہار دیتے ہیں۔ پھر لاشے پھرتے ہیں اور خالی جسم نظر آتے ہیں آج نہیں تو کل دن بدن ان پر موت کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے اس لئے اس بات کی طرف میں بار بار توجہ دلاتا ہوں کہ آپ اپنے نفسوں کی فکر کریں، اپنی طرز فکر کی فکر کریں۔ یہ ایک لمحہ آپ کی زندگی کے فیصلہ کو زندوں میں بھی داخل کر سکتا ہے اور غلط فیصلہ کے نتیجہ میں مردوں میں بھی داخل کر سکتا ہے۔ آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم کس کی خاطر جئیں گے۔ کیا ہم اس بات کی خاطر جئیں گے کہ ہمارا خدا ہم سے راضی رہے یا اس بات کی خاطر جئیں گے کہ جہاں ہم جائیں وہاں کے لوگ ہم سے راضی رہیں۔ اس دوسری قسم کی سوچ کے لوگ تو پھر بہروپئے بن جاتے ہیں، جہاں گئے وہیں کے ہو کر رہ گئے، جس قوم میں داخل ہوئے ویسے بن گئے۔ جب یہ لوگ واپس اپنے معاشرہ میں آتے ہیں تو رفتہ رفتہ نیک بھی نظر آنے لگ جاتے ہیں، ان کے رنگ بدلتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کہیں کے بھی نہیں ہوتے کیونکہ ان کے اندر ایک بنیادی کمزوری ہوتی ہے۔ ان کے اندر کوئی

کردار نہیں ہوتا۔ وہ ایسے ماحول میں جائیں گے جہاں قدامت پرستی ہے تو قدامت پرست بھی بن جائیں گے۔ کسی دوسرے ماحول میں جائیں تو ویسے بن جائیں گے اور یہ طرز زندگی جو بغیر کردار کے ہوتی ہے اور بغیر عظمت کے ہوتی ہے اسلامی اصطلاح میں منافقت کہلاتی ہے لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (النساء: ۱۴۴) نہ وہ ادھر کے رہتے ہیں اور نہ وہ ادھر کے رہتے ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۵﴾ (البقرہ: ۱۵)

جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں یا ان کے معاشرہ میں چلے جاتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں تو کہتے ہیں دیکھو! ہم تو ایمان لانے والے ہیں، وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ جب وہ اپنے شیاطین کی طرف جاتے ہیں جو ان کے دلوں میں برے خیالات ڈالتے اور بداعمالیوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو تمہارے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، تم خواہ مخواہ ہمیں قدامت پسند سمجھ رہے ہو اور پرانے زمانوں کے لوگ کہہ رہے ہو، ہم میں اور تم میں تو کوئی فرق نہیں۔

یہ وہ روح ہے جس کا قرآن کریم نے کھلا کھلا تجزیہ کیا ہے۔ کیسی عظیم کتاب ہے کہ جس کی نظر سے کوئی باریک سے باریک روحانی بیماری بھی چھپی ہوئی نہیں۔

اور پھر ان کا علاج بتاتی ہے اور اس کا علاج صرف اور صرف ایک ہی ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کرو۔ مذہبی بیماریوں کا اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں۔ یہ ہر علاج کا مرکزی نقطہ ہے۔ زندگی کے چشمہ سے تعلق پیدا نہیں ہوگا تو بیماریوں کا مقابلہ کیسے ہو سکے گا، توانائی کیسے آئے گی؟ اس لئے اللہ سے تعلق ہے جو دراصل آپ کا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ سے پیار اور ایسا ذاتی اور قطعی تعلق پیدا کیا جائے کہ جس کے مقابل پر دنیا بالکل حقیر اور بے معنی اور بے حقیقت نظر آنے لگے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے دل میں اللہ کا وہ پیار تھا اور پھر ساتھ عظمت کردار بھی تھی۔ وہ لباس پہنا کرتے تھے، ہر قسم کا لباس پہن لیتے تھے لیکن لباس ان کا غلام رہتا تھا، وہ لباس کے کبھی غلام نہیں بنے۔ کھانے اچھے بھی کھاتے تھے، اچھی جگہوں پر بھی رہتے تھے لیکن ہمیشہ ان چیزوں سے آزاد رہے اور وہ چیزیں ان کی غلام بنی رہیں اس لئے کہ خدا کے تعلق اور محبت

نے ان کو ان چیزوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ انگلستان بھی پہنچے تو وہاں بھی آزاد مردوں کی طرح پہنچے۔ حقیقت یہ ہے کہ نقال قومیں دراصل زندہ رہا ہی نہیں کرتیں ان کی زندگی کی حقیقت کوئی نہیں یوں ہی دکھاوا ہے اور آزاد قومیں دنیا کی چیزوں اور اس کے ماحول سے بے نیاز ہو کر زندہ رہا کرتی ہیں۔ پس وہ رعب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الہام میں بیان کیا تھا وہ آپ کے اصحاب کو عطا ہوا تھا۔ ان سے لوگ راہیں پکڑتے تھے وہ لوگوں کی راہیں نہیں پکڑا کرتے تھے۔ جس پر دنیا کا رعب آجائے اس کا نقشہ الٹ جاتا ہے۔ چنانچہ یہ باتیں جن کے متعلق پسماندہ قومیں کبھی سوچ بھی نہیں سکتیں کہ ہم یہ طرز اختیار کر سکتے ہیں لیکن جب وہ لوگ جن کا ان پہ رعب ہے وہ طرزیں اختیار کرتے ہیں تو پسماندہ قومیں ان کے رنگ میں رنگین ہو جاتی ہیں مثلاً ایک زمانہ تھا جب ہمارے معاشرہ میں ٹنڈ کروانا یعنی استرے سے اچھی طرح سر منڈوا دینا ایک بہت ہی بے ہودہ چیز سمجھا جاتا تھا اور جب قدامت پرست ماں باپ بعض دفعہ زبردستی اپنے بچوں کے سروں پر استرے پھروا دیا کرتے تھے تو بچے رویا کرتے تھے اور شرم کے مارے رومال باندھ کر پھرتے تھے اس لئے کہ ان کا دل کہتا تھا کہ ایک بے ہودہ چیز ہے لیکن جب آزاد قوموں میں سے بعض نے اپنے سر مونڈے اور ٹنڈ کروا کر باہر نکلے تو یہی لوگ جو پہلے شرمایا کرتے تھے انہوں نے ان کی پیروی کرنی شروع کر دی اور اپنے معاشرہ میں اسی طرح سر منڈوا کر پھرنے لگے کہ اب یہ فخر کی بات ہے۔ ایک طرف ایک آزاد قوم ہے جس کا رعب ہے۔ دوسری طرف ایک غلام ذہنیت ہے جو اس رعب کے تابع ہے اور چپ کر کے اسے اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ کسی زمانہ میں کوئی آدمی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ حلیہ بنا کر ہپّیز (Hippies) کی طرح کوئی انسان اپنی سوسائٹی میں پھرے بلکہ جس زمانہ میں انگریز قوم ایک خاص لباس پر غیر معمولی توجہ دیا کرتی تھی۔ یعنی اکڑے ہوئے کالر اور خاص قسم کی ٹائیاں اور خاص قسم کے ہیٹس (Hats)۔ تو یہ وہ لوگ ہیں جو اس زمانہ میں اس سے کم لباس کو جہالت سمجھتے تھے اور اپنی قوم کو حقارت سے دیکھا کرتے تھے اور کہتے تھے بھلا یہ بھی کوئی لوگ ہیں جو دنیا میں بس رہے ہیں اور شلواریں پہنی ہوئی ہیں بیوقوفوں کی طرح، اور چوغے پہنے ہوئے ہیں اور احمقانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پگڑی کا تو تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن جب مغربی قوموں نے یہ باتیں شروع کیں تو انہوں نے حد سے زیادہ بے ہودہ اور لغو لباس اختیار کر لیا اور یہ ان کے لئے فخر کا نشان بن گیا۔ انہوں نے

آزادی سے یہ کیا ہے وہ غلام نہیں تھے۔ ان کی آزادی نے ایک غلط راستہ اختیار کر لیا۔ انہوں نے آزادی کا مطلب یہ سمجھا کہ اب ہم آزاد ہیں دنیا جہان کی ہر ہیئت اختیار کرنے پر اور ہر گندگی اختیار کرنے پر اور ان کی آزادی جب اس راستے پر چلی تو غلام لوگوں نے ان کی پیروی ان راستوں پر بھی شروع کر دی۔

پس حقیقت یہ ہے کہ دو نظریات کی جنگ ہے اس کو سمجھنا پڑے گا۔ یا وہ رعب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا اور آپ کو ایک ایسا معاشرہ بخشا جو دنیا کے رعب سے بے نیاز کر دیتا ہے اور یا وہ دنیا کا رعب ہے جو جہاں چاہے گا آپ کو لئے پھرے گا، کوئی اس میں مقام نہیں ہے، کوئی اس کی منزل نہیں ہے، کوئی رخ معین نہیں ہے، جس طرف وہ آزاد قومیں اپنے دماغ کے پھرنے کے نتیجہ میں پھر جانے کا فیصلہ کریں گی آپ لوگ ان کے پیچھے پیچھے پھریں گے اور اس وقت وہ معاشرہ ایسی گندگی میں داخل ہو چکا ہے کہ سوائے دکھوں کے اس کا اور کوئی انجام نہیں رہا۔ ان قوموں میں اندرونی طور پر بڑی تیزی سے یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ ہماری کوئی زندگی نہیں۔ لذتوں کی تلاش ان کو ایسی بھیانک جگہوں پر لے جا چکی ہے کہ وہاں لذتوں کی بجائے گندگی ہے اور اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مغربی قوموں نے اس آزادی کے نتیجہ میں لذت یابی کے ایسے ایسے خوفناک طریق سیکھے ہیں کہ انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک Sadism ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک جانوروں کی طرح کسی کو مارو نہیں اور تقریباً ادھ موا نہ کر دو اس وقت تک نہ جنسی لذت اس میں پیدا (ہوتی) ہے اور نہ اس میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اب لذت یابی کا ایک یہ تصور ہے۔ کچھ دیر Sadism پر رہے اب اس نے ایک اور شکل اختیار کر لی ہے کہ جب تک چھوٹے بچوں کو ہوس کا نشانہ نہ بناؤ اس وقت تک تمہیں کوئی جنسی لذت حاصل نہیں ہوگی۔ چنانچہ امریکہ کے موجودہ اعداد و شمار کے مطابق وہاں کی آبادی کے ۳۰ فیصد لوگ بچوں پر ظلم کرنے کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور جو بچے ان کے مظالم کا شکار ہوتے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے زندگی کی لذت کھو بیٹھتے ہیں چنانچہ اس کے نتیجہ میں ان کے پاگل خانے بھر رہے ہیں۔ اعصابی مریض دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں، جرم بڑھتا جا رہا ہے لیکن اندھی تقلید کرنے والے اس خیال سے کہ یہ ماڈرن قومیں ہیں ان کے پیچھے پیچھے بھاگے چلے جا رہے ہیں لیکن جماعت احمدیہ کے افراد

کو تو سر اونچا کر کے ان کو اپنی طرف بلانا ہے کہ ادھر آؤ ہم تمہیں تہذیب سکھاتے ہیں، تم غلط راستے پر چل رہے ہو، تمہاری راہیں غلط ہیں، تم دنیا کے کیڑے بنتے چلے جا رہے ہو تمہیں اس کا کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ اب ظاہر ہے اگر اس کی بجائے آپ خود ہی ان سے متاثر ہو جائیں، ان سے شرمانے لگ جائیں اور یہ خیال اپنے اوپر غالب کر لیں کہ دنیا ہمارے متعلق کیا کہے گی تو پھر تو آپ دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکیں گے، اس لئے میں احباب جماعت سے یہ کہتا ہوں کہ وہ اپنے اندر احساس برتری پیدا کریں اور اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کریں کہ اسلام کی جو آزادی ہے وہ دراصل اللہ کی غلامی میں ہے۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جو آزادی کے تصور کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ تفصیلی جائزہ لے کر دیکھ لیں اس سے بہتر تعریف اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم میری غلامی اختیار کرو تو تمام جھوٹے خداؤں سے تم آزاد ہو جاؤ گے۔ یہ غلامی تمہیں ہر دوسرے جذبہ اور ہر دوسرے نظریہ سے آزادی عطا کرے گی جب کہ خدا کی غلامی سے نکلنا نام ہے ہر دوسری چیز کی غلامی کا۔ یہ ہیں وہ دو نظریات جن کی آپس میں جنگ جاری ہے۔

میں نے آپ کو اس کے متعلق مختصراً بتایا ہے ورنہ گھنٹوں اس کی مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ کس طرح خدا کی اطاعت کتنی ہی قسموں کی غلامیوں سے آزاد کرتی ہے اور کس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکلنا انسان کو دنیا کا غلام در غلام بناتا چلا جاتا ہے۔ وہ رسموں کا غلام بن جاتا ہے، معاشرہ کا غلام بن جاتا ہے، پیٹ کا غلام بن جاتا ہے، نفسانیت کا غلام بن جاتا ہے۔ غرضیکہ غلامی کے تصور کی کوئی ایسی بھیانک چیز نہیں ہے جو اس میں نہ پائی جاتی ہو، اس لئے صرف نام رکھ لینا تو آزادی نہیں کہلاتی اس میں کوئی حقیقت ہونی چاہئے۔ اس وقت آپ کو دنیا میں جو آزاد قومیں نظر آرہی ہیں وہ صرف خدا اور خدا کے تصور سے آزاد ہوئی ہیں۔ یہی ایک ''آزادی'' ہے جس نے ان کو دوسری چیزوں کا غلام بنا دیا ہے اور اس غلامی میں وہ دن بدن زیادہ جکڑی جا رہی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ جن لوگوں نے ان کو آزاد کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے وہ پہلے خود اپنی آزادی کی فکر کریں۔ اگر خدانخواستہ وہ خود ہی اپنے ہاتھوں میں رسم و رواج کی زنجیر پہن لیں گے اور ان کے پاؤں میں دنیاوی آلائشوں کی بیڑیاں چلی جائیں گی تو ان قوموں کو کس طرح زندہ کریں گے اس لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں داخل ہوں اور اس سے پیار کریں اور اس سے سچا تعلق

جوڑیں۔ اس کے نتیجہ میں پھر وہ چیز نصیب ہوتی ہے جس کو بعض لوگ معجزہ کہتے ہیں یعنی خدا کا تعلق انسان کی عملی زندگی میں الٰہی نصرت بن کر داخل ہو جاتا ہے اور وہ نصرت انسان کو خود بھی نظر آنے لگتی ہے۔ آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک زندہ اور صاحبِ اقتدار ہستی میرے ساتھ ہے اور غیروں کو بھی وہ نصرت نظر آنے لگتی ہے۔

یہ وہ دوسرا حصہ ہے اس مضمون کا جسے روحانیت کہتے ہیں۔ روحانیت کے بغیر آپ مادیت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب تک آپ اس یقین کے ساتھ زندہ نہیں رہتے کہ خدا میرے ساتھ ہے، وہ مجھ سے پیار کرتا ہے، خدا ایک صاحب اقتدار ہستی ہے جو میرے لئے دنیا میں تبدیلیاں پیدا کر سکتی ہے اور کرتی ہے، دنیا جو چاہے کرے لیکن خدا میری حفاظت فرمائے گا، اس وقت تک دنیا میں روحانی انقلاب بپا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ حقیقت ہے جو انسان کے مقاصد کو واضح اور اس کی کامیابی کے سامان پیدا کیا کرتی ہے۔ اس کا پہلا قدم انسان کے اپنے نفس کی آزادی ہے یعنی خدا کی غلامی میں آجانا پہلا قدم ہے۔ تقویٰ کی حفاظت کرنا یعنی اللہ کی یاد کو اپنا اوڑھنا بچھونا اور کھانا پینا سب کچھ بنا لیا جائے اور ہر چیز پر خدا تعالیٰ کو فضیلت دی جائے یہ وہ چیزیں ہیں جو بندہ خدا کے حضور پیش کرتا ہے لیکن خدا ان چیزوں کو سمیٹ کر نہیں بیٹھ جاتا۔ خدا اپنے ان بندوں پر اپنی قدرتیں ظاہر کرتا ہے، ان سے محبت اور پیار کا سلوک فرماتا ہے، ان کو تقویت دیتا ہے، ان کو حوصلے بخشتا ہے، ان کی نگاہوں کو حقیقی آزادی عطا کرتا ہے۔ پھر ان کے لئے کوئی جھجک نہیں رہتی وہ کوشش کر کے آزاد نہیں ہوتے بلکہ آزادی ان کی فطرت بن جاتی ہے۔ دنیا جن چیزوں کو بہت پسند کرتی ہے اور ان میں لذتیں ڈھونڈتی ہے ان کو ان چیزوں میں حقارت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، گندگی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ایسے انسانوں کے جو باخدا ہو جائیں نظریئے بدل جاتے ہیں، معیار بدل جاتے ہیں، ان کی آنکھیں، ان کے وقت، ہر چیز میں فرق پڑ جاتا ہے۔

چنانچہ ایسے لوگ جب دنیا کی پیروی کرنے والوں کو دیکھتے ہیں تو کبھی ان کو وہم بھی نہیں آتا کہ پتہ نہیں ہم کیا چیز کھو بیٹھے ہیں اور کیا ان کو حاصل ہو رہا ہے۔ ان کے لئے تو وہی مثال ہے جس طرح مردار خور جانور کسی مردار پر بیٹھے ہوئے منہ مار رہے ہوں اور کوئی انسان پاس سے گزرے تو کیا کبھی وہ یہ سوچے گا کہ اوہ میں کس نعمت سے محروم ہوں، یہ تو اپنی مرضی کے مطابق ہر چیز کھا رہا ہے اس

کی موجیں ہی موجیں ہیں، ہر گندگی سے بھی لذت پا رہا ہے، مجھ بیچارے کو دیکھو میں محروم ہوں۔ جب تک خاص قسم کا کھانا نہ ہو میں کھا نہیں سکتا، جب تک حفظان صحت کے اصول کا خیال نہ رکھوں اس وقت تک بچ نہیں سکتا اور اس جانور کو دیکھو کتنا خوش نصیب جانور ہے۔ کبھی آپ کو اس قسم کا خیال نہیں آئے گا اس لئے کہ آپ کے معیار بدل چکے ہیں۔ آپ کے ذہن میں اگر خدا کا تصور موجود ہے تو آپ خدا کا شکر کریں گے کہ مردار خور جانوروں کی طرح ہمیں نہیں بنایا۔ ان گندگیوں سے پاک کیا، ہمیں پاک غذائیں عطا فرمائیں، ہمارے مذاق اونچے کئے۔ پس اہل اللہ بھی جب دنیا داروں کو دیکھتے ہیں تو ان کا طبعی ردعمل بھی یہی ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو لذتیں عطا کرتا ہے ان کے ساتھ رہتا ہے ان کے لئے معجزے دکھاتا ہے۔

مجھے یاد آ گیا کل ہی کی بات ہے ایک دوست نے مجھ سے یہاں یہ سوال کیا تھا کہ معجزہ کیا ہوتا ہے آپ نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی معجزہ دیکھا ہے؟ میں نے ان سے کہا تھا ایک معجزہ نہیں متعدد بلکہ بعض پہلوؤں سے ان گنت معجزے بھی کہہ سکتے ہیں جو میں نے دیکھے ہیں۔ جماعتی معجزے بھی ہیں، گزشتہ خلفا کے معجزے بھی ہیں، میری اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کے معجزانہ سلوک بھی ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے بھی کچھ بتائیں۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا بتانے کا یہاں سوال نہیں۔ جب بھی جماعت میں کوئی ایسا موقع آئے گا خطبات یا حسب حالات کچھ نہ کچھ انسان بیان کرتا رہتا ہے اور میں پہلے بھی بیان کرتا رہا ہوں لیکن اب یہ جو خود ذکر چلا معجزہ کا اور خدا کی اطاعت کا تو مجھے خیال آیا کہ احباب کو ایک ایسا واقعہ بتاؤں جس سے آپ کو اندازہ ہو کہ اطاعت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کس طرح انسان کو آزادیاں بخشتا ہے۔ اطاعت کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ دوسری چیزوں کو انسان کا غلام بنا دیتا ہے اور خدا کا یہ سلوک نظر آتا ہے۔

چنانچہ یہ جو اطاعت ہے ضروری نہیں کہ براہ راست اللہ کی اطاعت ہو۔ یہ اطاعت بعض دفعہ خدا کے مقرر کردہ خلفا کی یا ان کے مقرر کردہ امراء کی اطاعت ہوتی ہے، بعض دفعہ ان امراء کے مقرر کردہ چھوٹے چھوٹے عہدیداروں کی اطاعت ہوتی ہے یہ بھی اللہ کی اطاعت بن جاتی ہے۔ اس لئے جب میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ اطاعت کرنا سیکھیں اور خدا کی اطاعت کرنا سیکھیں تو مراد صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو فرمایا ہے وہی اطاعت ہے۔ خدا تعالیٰ کے نظام کو

چلانے کے لئے جو بھی خدا کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اس کی اطاعت بھی خدا کی اطاعت بن جاتی ہے۔اس کے مقرر کردہ عہدیداران کی اطاعت بھی خدا کی اطاعت بن جاتی ہے اور یہ مضمون آگے تک چلتا ہے یہاں تک کہ بعض لوگ تکبر سے یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ یہ تو چھوٹا آدمی ہے ہم اس کی بات نہیں مانیں گے ہاں خلیفہ وقت کی مان لیں گے،اس کی بیعت کی ہے۔حالانکہ وہ اس روح کو سمجھتے نہیں ہیں کہ خلیفہ وقت کی پھر کیوں مانو گے وہ بھی تو ایک انسان اور حقیر انسان ہے پھر تم براہ راست خدا سے کہو کہ وہ تم سے کلام کیا کرے اور تمہیں براہ راست ہدایت دیا کرے۔اگر تمہارے اندر اتنا تکبر ہے،تمہاری اتنی شان ہے تو پھر خلیفہ وقت کے نمائندہ کی بات بھی نہ مانو بلکہ اس کی بھی نہ مانو، پھر نبی کی کیوں مانو گے وہ بھی تو ایک انسان ہے، پھر تو براہ راست اللہ سے مطالبہ ہونا چاہئے کہ اے خدا! تو خود بتا کہ کیا کرنا ہے؟ تب ہم مانیں گے ورنہ کسی انسان کی نہیں مانیں گے اور اگر یہ حرکتیں کریں گے تو اسی کا نام قرآن کریم شیطانیت اور ابلیسیت رکھتا ہے اس لئے جس اطاعت کے بدلہ پھل ملتا ہے وہ اطاعت کوئی معمولی چیز نہیں ہے اس کے اندر بڑی گہری روح ہے۔اس میں تو انسان سب سے پہلے اپنے نفس سے آزاد ہوتا ہے تب جا کر اطاعت کرتا ہے۔یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نفس کا غلام ہو اور اللہ کا مطیع ہو۔یہ دونوں چیزیں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔چنانچہ میں آپ کو جو مثال دے رہا تھا کہ اطاعت آپ کو آزاد کر دیتی ہے دوسری چیزوں سے اور دوسری غلامیاں آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرنے دیتیں۔یہ اس کی مثال ہے سب سے پہلے نفس کو پاک کرنا پڑے گا اپنے ضمیر کو آزاد کرنا پڑے گا کہ میں صرف اور صرف خدا کے سامنے جھکتا ہوں اور خدا کی نمائندگی میں اگر مجھ سے بہت ہی ادنیٰ آدمی بھی مجھ پر حاکم مقرر ہو تو میں اس کے سامنے بھی جھکوں گا۔یہ ہے اسلامی اطاعت کی روح۔اس کی اگر تربیت مل جائے تو اس اطاعت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بعض دفعہ انسان کو بہت سے معجزات دکھاتا ہے اور یہ بتانے کے لئے اور یقین پیدا کرنے کے لئے کہ میری خاطر تم نے کیا ہے میں تمہاری خاطر دنیا کو تمہارا غلام بناؤں گا میں اس کی ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک وفد مشرقی پاکستان بھجوایا جس میں میں بھی شامل تھا۔وہاں سے واپسی پر مجھے کراچی میں ربوہ سے حضور کا فون پر یہ پیغام موصول ہوا کہ پہلی فلائیٹ پر یہاں پہنچ جاؤ۔رپورٹ کا انتظار تھا۔ہمارے بھائی صاحبزادہ حضرت مرزا مظفر احمد

صاحب بھی تھے اور ہمارے ایک اور بھائی کرنل مرزا داؤ د احمد صاحب جن کے ہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے فون پر پتہ کیا تو بتایا یہ گیا کہ اس دن کی ساری (Flights) پروازیں Booked ہیں صبح کی Flights کا تو سوال ہی نہیں اور جب انہوں نے پوچھا کہ Chance پر کوئی جگہ مل سکتی ہے یعنی اتفاقاً کچھ لوگ رہ جاتے ہیں تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ اتنا Rush ہے کہ Chance پر بھی سینکڑوں آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس جلوس کے آخر پر اگر ہم ان کا نام لکھ لیں تو پھر بھی شائد کئی دن کے بعد باری آئے۔ یہ اس وقت Rush کی حالت تھی تو انہوں نے کہا پھر تو ربوہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم چند دن ٹھہرو تمہاری سیٹ بک کروا دیتے ہیں۔ جب باری آ گئی چلے جانا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کی یہ سوچ ہوگی ٹھیک ہے اور اس پر میں اعتراض نہیں کر سکتا لیکن مجھے حضرت صاحب کا حکم ہے کہ تم نے کل ضرور پہنچنا ہے اس لئے میں نے تو ضرور جانا ہے۔ انہوں نے کہا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تم جا ہی نہیں سکتے۔ میں نے کہا سوال بیشک نہ پیدا ہوتا ہو میں نے ائیر پورٹ پر جانا ہے کوشش کرنی ہے پھر اللہ کی جو مرضی، مگر یہاں میں چین سے نہیں بیٹھ سکتا کہ خدا تعالیٰ کا خلیفہ مجھے حکم دے کہ تم پہنچو اور میں آپ کے ساتھ بیٹھا آرام سے انتظار کرتا رہوں کہ جو کوشش کرنی تھی کوئی Chance ہے وہ بھی خدا کے ہاتھ میں ہے کوشش تو کرنی چاہئے۔ خیر میں جب صبح روانہ ہوا تو سب نے مذاق سے ہنس کر کہا کہ ہم تمہارا ناشتہ پر انتظار کریں گے واپس آ کر ناشتہ ہمارے ساتھ کرنا۔ میں ائیر پورٹ پر گیا انہوں نے کہا سیٹ ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ میں نے کہا بہت اچھا، نہیں ہے تو میں یہاں کھڑا رہتا ہوں۔ میں نے کہا ?Chance انہوں نے کہا Chance کا بھی کوئی سوال نہیں۔ میں نے کہا کوئی حرج نہیں میں انتظار کرتا ہوں دیکھتا ہوں کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ میں ابھی انتظار کر رہا تھا کہ اتنے میں وہ جو رجسٹر ہوتا ہے وہ انہوں نے بند کیا اور Call دی کہ جہاز چلنے والا ہے مسافر سوار ہونے کے لئے چلے جائیں۔ چنانچہ رجسٹر Pack کر کے روانہ ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایسا یقین ڈال دیا تھا کہ میں نے جانا ہی جانا ہے، میں وہیں کھڑا رہا ایک نوجوان لڑکا میرے پاس دوڑتے ہوئے آیا اور کہنے لگا آپ کو لاہور کے لئے ٹکٹ چاہئے؟ میں نے کہا ہاں مجھے چاہئے، کہنے لگا میرے نام کا ہے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں میرے نام پر سفر کرنے میں۔ میں نے کہا نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے اسی وقت اس کو پیسے دیئے باوجود

اس کے کہ اعلان ہو چکا تھا کہ جہاز پرواز کرنے والا ہے رجسٹر وغیرہ Pack کر کے جہاز کے عملہ کے لوگ روانہ ہو چکے تھے۔ میں نے اس کو پیسے دیئے اور ٹکٹ لے لیا کیونکہ پاکستان میں اگر کوئی آدمی (Internal Flight) اندرون ملک پروازوں میں جہاز Miss کرے تو اسے کافی جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے اس لئے وہ بے چارا گھبرایا ہوا تھا۔ خیر میں کھڑا تھا کہ اتنے میں جہاز کے عملہ کا ایک آدمی دوڑتے ہوئے آیا اور کہا ایک سواری کم ہے کوئی مسافر پیچھے تو نہیں رہ گیا۔ میں نے کہا میں ہوں اس نے میرا سامان پکڑا اور کہا یہ ساتھ ہی جائے گا کیونکہ اب الگ لوڈ کرنے کا وقت نہیں ہے۔ چنانچہ سوٹ کیس ہاتھ میں پکڑا اور ہم دوڑتے دوڑتے جہاز میں سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔

اب یہ جو واقعہ ہے کوئی دنیا دار آدمی ہزار کوشش کرے، اس کو اتفاق ثابت کرنے کی، لیکن جس پر گزرا ہو وہ اسے کیسے اتفاق سمجھ سکتا ہے اس کو سو فیصدی یقین ہے کہ ان سارے واقعات کی یہ (Chain) زنجیر جو ہے۔ یہ اطاعت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ یہ ہوائی جہاز اور ان کے عملہ وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں تم اگر میرے غلام بنتے ہو تو یہ تمہارے غلام بن جائیں گے، تمہارے لئے حالات تبدیل کئے جائیں گے۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات تھی لیکن جس کے ساتھ یہ بات گزرے اس کی زندگی پر یہ بہت گہرا اثر ڈالتی ہے اتنا گہرا اثر کہ ہمیشہ کے لئے دل پر اللہ کا پیار اور اس کا احسان نقش ہو جاتا ہے۔

پس میں آپ سے بھی یہ کہتا ہوں کہ آپ کیوں ان تجربوں میں سے نہیں گزرتے؟ جب تک آپ ان تجربوں میں سے نہیں گزرتے آپ اللہ کو نہیں پا سکتے۔ اگر آپ اللہ سے تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو خدا تعالیٰ سے پیار اور محبت کا اتنا گہرا اور اتنا کامل اور اتنا غیر متزلزل تعلق پیدا کرنا پڑے گا۔ کہ دنیا کی کوئی صورت حال آپ کے ارادہ کو بدل نہ سکے۔ آپ عزت کے ساتھ سر اٹھا کر ہر جگہ گھومیں پھریں اور محسوس کریں کہ آپ آزاد ہیں اور یہ لوگ غلام ہیں۔

ایک دفعہ انگلستان میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ ہوا۔ وہاں ہر سال یکم جنوری کو لوگوں کی جو حالت ہوتی ہے وہ آپ نے سنی ہوگی۔ رات بارہ بجتے ہیں اور بے حیائی کا ایک طوفان سڑکوں پر امڈ آتا ہے۔ اس وقت ہر شخص کو آزادی ہوتی ہے وہ جس کو چاہے گلے لگائے اور پیار کرے خواہ وہ کتنا ہی گندا ہی کیوں نہ ہو اس کے منہ سے شراب کی بدبو آتی ہو یا اور کئی قسم کی غلاظتیں لگی ہوں۔ خیر رات

کے بارہ بج رہے تھے میں یوسٹن کے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں وہاں کسی کام کے لئے گیا ہوا تھا اس وقت فارغ ہو کر واپس گھر جا رہا تھا تو جس طرح دوسرے احمدیوں کو یہ خیال آتا ہے کہ ہم سال کا نیا دن نفل سے شروع کریں اسی طرح مجھے بھی یہ خیال آیا۔ چنانچہ میں نے وہاں نفل پڑھنے شروع کر دیئے۔ کچھ دیر کے بعد مجھے یہ احساس ہوا کہ میرے پاس ایک آدمی کھڑا رو رہا ہے اور رو بھی اس طرح رہا ہے جس طرح بچے ہچکیاں لے لے کر روتے ہیں۔ میں اگرچہ اس حالت میں نماز پڑھتا رہا لیکن تھوڑی سی Disturbance ہوئی کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جب میں اٹھ کر کھڑا ہی ہوا تھا تو وہ دوڑ کر میرے ساتھ لپٹ گیا اور میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ میں نے کہا کیا بات ہے، میں تو آپ کو جانتا نہیں۔ اس نے کہا آپ نہیں مجھے جانتے لیکن میں آپ کو جان گیا ہوں۔ میں نے کہا آپ کا کیا مطلب ہے۔ اس نے کہا کہ سارا لندن آج نئے سال کے آغاز پر خدا کو بھلانے پر تلا ہوا ہے اور ایک آدمی مجھے ایسا نظر آ رہا ہے جو خدا کو یاد رکھنے پر تلا ہوا ہے میں کیسے آپ کو نہ پہچانوں۔ غرض اس چیز نے اس پر اتنا گہرا اثر کیا کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے وہ بچوں کی طرح ہچکیاں لے لے کر رونے لگ گیا۔

پس آپ کی اصل آزادی خدا کی یاد میں ہے۔ دوسری ساری دنیا غلام ہے اپنے رسم و رواج کی، شیطانیت کی، جنسانیت کی اور اپنی ہوا و ہوس کی لیکن یہ آپ ہیں جنہوں نے خود بھی آزادی سے پھرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی آزادی بخشنی ہے۔ اگر آپ ان کے معاشرہ سے متاثر ہو گئے اور ان کے غلام بن گئے تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کون نام لیوا ہو گا جو ان کو آزادی بخشے گا۔ آپ ہی نمائندہ ہیں اس لئے عظمت کردار پیدا کریں۔ اپنے اللہ سے تعلق جوڑیں وہ آپ کے لئے پھر معجزے دکھائے گا۔ پھر آپ کو یہ پوچھنا نہیں پڑے گا کہ معجزہ کیا ہوتا ہے۔ پھر آپ لوگوں کو یہ بتائیں گے کہ معجزہ کیا ہوتا ہے اس لئے یہ جو مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں سنگ بنیاد رکھنے کا دن ہے اس کو اپنے لئے فیصلہ کن دن بنائیں۔ یہ عہد کریں کہ اب چاہے باہر سے کوئی مبلغ آئے یا نہ آئے آپ اسلام کے لئے مبلغ بنیں گے۔ آپ نے ان لوگوں کی کایا پلٹنی ہے۔ آپ نے ان کے معاشرہ میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کرنی ہیں۔ آپ نے ان سے آزاد رہ کر پھرنا ہے۔ اپنی عورتوں کو سنبھالیں، اپنی بچیوں کو سنبھالیں، ان کے چہرے پر ان کی نظروں میں بعض دفعہ ایسی بے اعتنائی نظر آتی ہے کہ جس

سے انسان ڈرتا ہے۔ ایک ایسا اطمینان نظر آتا ہے دنیا پر اور دین سے ایسی لا پرواہی نظر آتی ہے کہ وہ مستقبل کے معاملہ میں انسان کو خوفزدہ کر دیتی ہے۔ اصل اطمینان وہی ہے جو دین کی پیروی کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ دنیا پر مطمئن ہونے لگ جائیں خدا اور خدا کا دین ان کے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ وہ پھر اپنے لئے کوئی اور خدا بنا لیتے ہیں اس لئے اپنے بچوں کی حفاظت کریں، اپنی بیویوں کی، اپنی بیٹیوں کی اپنی بہنوں کی حفاظت کریں۔ اپنی ماؤں کو سمجھانا پڑے تو ان کو بھی سمجھائیں کہ تم خدا کے ہو کر رہو، اللہ سے پیار کرو اور اس بات کی حفاظت کرو کہ خدا تمہیں کبھی کسی اور کی غلامی میں نہ جانے دے۔ تم سب دعائیں کرو کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں دعاؤں سے ملتی ہیں۔ اب تمہیں بہت کثرت سے دعائیں کرنی پڑیں گی۔ آج میں نے بھی بہت دعا کی ہے خاص طور پر آپ سب کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس مسجد کو جس کا آج سنگ بنیاد رکھا جانے والا ہے ایسے لوگوں سے آباد کرے جو مسجد کی آبادی کا حق رکھتے ہیں، جن کو مسجدیں آباد کرنا آتا ہے، جن پر خدا کے پیار کی نظر پڑتی ہیں اور دن بدن یہ آبادی بڑھتی رہے اور جلد وہ وقت آئے جب یہ مسجد آپ کو چھوٹی نظر آنے لگے۔ پھر یہ فکر پیدا ہو کہ اس مسجد کو کس طرح بڑھانا ہے۔ اس لئے اب اس مسجد کے سنگ بنیاد رکھنے کے وقت سے آپ سب کی ذمہ داری غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ہے۔ اب آپ ہی یہاں خدا کے نمائندہ ہیں۔ آپ ہی وہ لوگ جنہوں نے خدا کی عبادت کا حق ادا کرنا ہے اور عبادت کو قائم رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ نومبر ۱۹۸۳ء)